الفاتحہ

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سورت کا تعارف:

اِس سورۂ مبارکہ کا نام الفاتحہ (کھولنے والی، کنجی) ہے۔ مکی دور کے ابتداء میں نازل ہوئی اور اِس کی سات آیات ہیں۔ بعض روایات کی رو سے یکبارگی نازل ہونی والی یہ پہلی سورت ہے، اِس سے قبل ایک ہی وقت میں کوئی بھی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اِس مبارک سورت کی سات آیات میں تمام قرآن کا خلاصہ جمع کیا گیا ہے یوں سمجھ لیں کہ قرآنِ مجید اِسی سورت کی شرح اور تفصیل ہے۔ اِسی لیے تمام مسلمان نماز کی ہر رکعت میں اِسے پڑھتے ہیں اور پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ سورۂ الفاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہیں ہے۔

یہ سورت متعدد ناموں سے موسوم ہے جن میں سے ہر نام اِس کے وسیع اور گہرے مطالب کا ایک پہلو بیان کرتا ہے۔ اِن میں سے چند نام درج ذیل ہیں:

- السبع المثانی: ہفتگانہ مکرّرات، یعنی وہ سات آیات جو قرآن میں بار بار اور تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ اِس سورت کی سات آیات تمام قرآن میں مختلف الفاظ کے ساتھ مشرح اور مفصّل طور پر بیان کی گئی ہیں یعنی قرآن اِس سورت کی شرح اور تفصیل ہے اور یہ خود قرآن کا خلاصہ۔
- فاتحۃ الکِتاب: قرآن کو کھولنے والی اور کنجی، قرآن کی کتاب کا مقدمہ اور چابی؛ اِس سے قرآن کے مطالِب کا دروازہ کھلتا ہے یعنی یہ قرآن کے اِسرار کھولنے کی چابی ہے۔ اِس سورت کو اچھی طرح سمجھ لینا تمام قرآن کو سمجھ لینے کا مقدمہ اور ذریعہ ہے۔ یہ درحقیقت قرآن کو سمجھنے کا رمز اور چابی آپ کے ہاتھ میں تھما دیتی ہے جس سے آپ قرآن کے اسرار کا دروازہ کھول سکتے ہیں۔
- امُ الکتاب: کتاب کی اساس اور مرکزی و محوری مطلب۔
- کافیہ: اگر قرآن میں سے صرف یہی سورت نازل ہو گئی ہوتی تو کافی ہوتی۔
- الحمد: یہ سورت تمہیں اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا بیان کرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔

- اساس القرآن: قرآن کی بنیاد ہے، قرآن کا عظیم الشان محل اِسی بنیاد پر ایستادہ ہے۔
- الشافیہ: (شِفا بخش) اِنسان کی تمام انفرادی اور اِجتماعی بیماریوں کا علاج، بیمار دلوں کا معالج، ہر دکھ درد کا مداوا۔

اِس مبارک سورت کی عظمت درج ذیل حدیث بخوبی بیان کرتی ہے:

والذی نفسی بیدہ ما أنزل اللہ فی تورات و لا فی الا نجیل و لا فی الزبور و لا فی الفرقان مثلھا وانھا السبع من المثانی۔ رواہ احمد

اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اِس سورت کی مثل نہ تورات میں نازل ہوئی ہے نہ انجیل میں، اور نہ ہی خود قرآن میں اور یہ وہی سبع المثانی ہے۔

یہ بات مستحضر رہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے ایک مکمل جملے کو آیت قرار دیتا ہے اور اِس کائنات کے کسی ایک جزء کو بھی آیت کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اِن میں سے ایک مقروُء کتاب کی آیت ہے اور دوسری مشہود کتاب کی۔ ایک حروف سے تشکیل دی گئی ہے اور دوسری مادی اجزاء سے۔ ایک پڑھی جاتی ہے اور دوسری دیکھی جاتی ہے۔ ایک اتنی چھوٹی کہ تم اُسے جیب میں ڈال سکتے ہو اور دوسری اتنی بڑی کہ تمہاری زمین، سورج اور چاند اُس کے حروف اور الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں مگر اِس چھوٹی سی کتاب میں اِس عظیم الشان کتاب کو سمو دیا گیا ہے۔ اگر ہم کہیں کہ اِس مختصر کتاب میں اتنے اسرار پوشیدہ ہیں جو اِس وسیع کتاب میں نہیں ہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہو گا۔ یہ وسیع پھیلی ہوئی کتاب اِس مختصر کتاب کی شرح اور یہ مختصر کتاب اِس وسیع کتاب کا خلاصہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری یہ زمین ایک سو چودہ (۱۱۴) ایسے عناصر سے بنی ہوئی ہے جن کی تعداد ثابت و مقرر ہے، بڑھائی نہیں جا سکتی۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کی یہ مقروُء کتاب ایک سو چودہ سورتوں اور سورۂ الفاتحہ ایک سو چودہ حروف سے تشکیل دی گئی ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ زمین کے سات طبقے ہیں اور زمین و آسمان کے قلیل ترین جزء ایٹم کے انتہائی مدار بھی سات ہی ہیں، اِسی طرح سورۂ الفاتحہ کی آیات بھی سات ہیں۔ اسے اتفاق نہ سمجھو بلکہ یہ اِس حقیقت کی طرف ایک اشارہ ہے کہ اِن دونوں کتابوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی شرح اور تفصیل ہیں۔

مقروء کتاب کو اِس لئے چھوٹا بنایا گیا ہے کہ تم اُسے اپنی جیب میں بھی پھرا سکو اور اُس کا پڑھنا تمہارے لئے آسان رہے جبکہ مشہود کتاب کو اِس لئے وسیع و عریض کر کے پھیلایا گیا ہے تا کہ تم جدھر بھی نظر اُٹھاؤ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ سکو اور ہر لمحہ ہر چیز تمہیں اُس کی یاد دلاتی رہے۔

سَنُرِيهِمۡ ءَايَٰتِنَا فِي ٱلۡأٓفَاقِ وَفِيٓ أَنفُسِهِمۡ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ أَنَّهُ ٱلۡحَقُّۗ أَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ شَهِيدٌ ٥ فصلت ٥٣

ہم اِن کو آفاق میں اور اِن کے اپنے نفسوں میں ضرور بالضرور اپنی آیات دکھادیں گے تاکہ یہ جان لیں کہ یہی حق ہے، کیاتمہارے رب کے بارے میں یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے۔

تمہارے نفس اور وجود میں اوراِس عالم اور آفاق میں اُس کی قدرت کی نشانیاں اِس مقروء کتاب "قرآن" کی حقانیت کی شہادت دیتی ہیں۔ یہ اِس لئے کہ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ "ہر چیز" کے شاہد کا کلام تو ایسا ہوگا ہی کہ اُس کی حقانیت کی شہادت ہر چیز دے دے۔

پس اگر تم کبھی اللہ کی مقروء کتاب کی کسی آیت کی ایسی تعبیر سُن لو جو اللہ کی مشہود کتاب کے ساتھ مغائرت رکھتی ہو تو ایسی تعبیر کو دیوار پر دے مارو اور اگر کبھی اُس کی مشہود کتاب کے کسی جزء کے بارے میں کوئی ایسی بات تمہارے کانوں میں پڑ جائے جو مقروء کتاب کی کسی آیت کے خلاف پڑتی ہو تو اُسے پرے پھینک کر پیروں تلے روند ڈالو۔ یہ دونوں کتابیں کسی صورت ایک دوسرے کے خلاف نہیں بولتیں اِس لئے کہ اِن کا رب ایک ہے۔ ناسمجھ ہوگا جو اُس کی یا اِس کی ایسی تعبیر اور تفسیر پیش کرے گا جو ایک دوسرے سے مغائرت رکھے۔

اِس سورت کی پہلی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے تین ناموں کا ذکر کیا گیا ہے: رب العالمین، الرحمٰن الرحیم اور مالِک یوم الدین۔ اگر قرآن میں تدبّر کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ اِن تین ناموں میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنہ سمو دیئے گئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے وہ تمام نام جو قرآن اور احادیث میں مذکور ہیں، سورۂ الفاتحہ کی تین ابتدائی آیات کی روشنی میں چھان لئے جائیں تو آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ الفاتحہ کی مبارک سورت نہ صرف قرآنِ کریم کی اساس اور خلاصہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں کا خلاصہ بھی اِسی سورت کی اِن ابتدائی آیات میں آیا ہوا ہے۔

یہ تین آیات نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات کا تعارف کراتی ہیں بلکہ اُن دلائل کا خلاصہ بھی پیش کرتی ہیں جو قرآن اللہ کے وجود کے اثبات کے لئے انسان کے سامنے رکھتا ہے۔ پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ وہی ہے جس کی ربوبیت، نشو نما دینے، اور رزاقی کی نشانیاں اِس عالم میں نظر آتی ہیں۔ وہی جس کے لئے اِس عالم کی ہر ایک چیز گواہی دے رہی ہے کہ وہ ہر عیب اور نقص سے منزّہ اور ہر ستائش کا مُستحق ہے۔

دوسری آیت میں کہا گیا ہے کہ: ستائش کے قابل اللہ وہی ہے جس کی رحمت اور عطا کی نشانیاں اور مظاہر اِس وسیع عالم کے ہر گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں۔

تیسری آیت میں اُسی اللہ کی اِس صفت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ جزاء کے دِن کا بلاشرکتِ غیرے مالک اور حاکم ہے۔ دنیا میں بھی مالک اور حاکم کے طور پر تصرُّف کرتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اِس عالم میں اُس کے حاکمیت کے آثار ظاہر و باہر

ہیں، وہی تمام عالم کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اپنے اپنے مقام پر رکھے ہوئے ہے۔ ہر چیز کے لئے ایک راستہ اور دستور مقرر کئے ہوئے ہے اور اُسی دستور کی ہر چیز طوعاً و کرہاً، چاہے یا نہ چاہے، پیروی کرتی ہے۔ اگر اللہ کے وجود کے اثبات کے لئے قرآن میں دیئے گئے دلائل پر غور کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ وہ بھی تمام اِنہی تین حصوں میں خلاصہ کئے اور سموئے جاسکتے ہیں۔

چوتھی آیت سے کلام کا لہجہ بدل جاتا ہے۔ ابتدائی آیات میں ہم کہہ رہے تھے کہ عالَموں کا رب، وہ نہایت مہربان اور وہ مالِک الملک اللہ، ہر ستائش کے قابل ہے مگر اب ہم اُسی اللہ کو براہِ راست مخاطب کر کے بات کر رہے ہیں اِس لئے کہ ہم نے اُس کو پا لیا ہے اور ابتدائی دلائل نے اُس کی پہچان کرا دی ہے۔ اب ہم تمام عالَموں کے اُس مہربان اور حکمران رب کے سامنے دو اَساسی معروضات پیش کرتے ہیں؛ وہ یہ کہ: ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ سورۂ الفاتحہ کا محوری اور مرکزی مطلب اِسی چوتھی آیت "ایاک نعبد و اِیاک نستعین" میں مضمر ہے اور یہی تمام سورت کا مرکز ہے؛ مفہوم کے لحاظ سے بھی اور سورت کے اندر اِس کے مقام کے لحاظ سے بھی، اِس لیے کہ تین آیات اِس سے پہلے اور تین آیات اِس کے بعد رکھی گئی ہیں۔ پس اگر سورۂ الفاتحہ تمام قرآن کی اساس ہے اور یہ آیت سورۂ الفاتحہ کی اساس اور محور ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن کا محوری اور اساسی مدعا اِنسان اور اُس کے رب کے درمیان یہی رابطہ اُستوار رکھنا ہے کہ عبادت صرف اُسی کے لئے ہو اور مدد صرف اُسی سے طلب کی جائے۔

پانچویں آیت میں عابد اور موَحِد بندہ اپنی پہلی دعا، اپنی پہلی ضرورت اور اِحتیاج کو مدِ نظر رکھ کر مانگ رہا ہے۔ یعنی یہ کہ: اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے اِس لئے کہ انسان کی پہلی حاجت یہ ہے کہ اُس کی رہنمائی کی جائے۔ باقی مخلوقات سے انسان یوں مختلف ہے کہ اُن کی جبلّت میں فطری طور پر اُن کی راہِ عمل ودیعت کی گئی ہوتی ہے؛ وہ اُسی فطری رہنمائی میں زندگی گزارتے ہیں۔ بکری کا بچہ اپنی پیدائش کے چند ہی لمحے بعد اُسی دن، اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنی ماں کے پیچھے دوڑنے لگ جاتا ہے۔ وہ از خود کسی مضر چیز کے کھانے اور خطرے کی جگہ جانے سے احتراز کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کونسا پودا مفید ہے اور کونسا مضر؛ مگر انسان کا بچہ ایک طویل عرصے تک ماں کا محتاج ہوتا ہے۔ انگارہ، پتھر، مٹی کا ڈھیلا، غرض کوئی بھی چیز اُٹھاتا ہے اور اُٹھا کر منہ میں ڈالتا ہے۔ اگر چند لمحے بھی ماں کی توجہ ہٹ جائے تو آگ کے پاس چلا جاتا ہے یا پانی میں گر جاتا ہے۔ اُس کو مفید اور مضر، اچھے برے، شہد اور زہر اور حرام و حلال کی عملاً پہچان کرانی پڑتی ہے۔ کسی بھی دوسری مخلوق کی نسبت وہ اِس کا زیادہ ضرورت مند ہے کہ زندہ رہنے اور اچھی زندگی گزارنے کے تمام تقاضے اور مقتضیات اُسے سکھائے جائیں یعنی اُس کی فطری رہنمائی اُس کے لئے کفایت نہیں کرتی۔ اُس کی بناوٹ دوسری مخلوقات سے مختلف ہے اور اُسے منفرد اور خصوصی اِستعدادات کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔

چھٹی آیت میں کہا گیا ہے کہ یہ سیدھا راستہ، صراطِ مستقیم کوئی مجرد ذہنی اور فکری راستہ نہیں ہے۔ یعنی یہ صرف ایک یقین اور عقیدے کا نام نہیں ہے کہ اِس پر صرف اعتقاد اور ایمان ہی کافی ہو بلکہ اِس کے برعکس یہ ایک راہِ عمل ہے، چلنے کا ایک ایسا راستہ ہے جس پر عملاً چلنا پڑتا ہے۔ تم سے پہلے بہت سے اہلِ ایمان اِس پر چلے ہیں اور اِس پر چلنے کی وجہ سے اللہ کے انعامات اور مہربانیوں کے مستحق قرار پاگئے ہیں اور سعادت و نیک بختی حاصل کر چکے ہیں۔

ساتویں آیت میں اُن نیک بخت انسانوں کی دو اور اِنفرادتیں بتائی گئی ہیں: ۱) یہ ایسے لوگ نہیں ہیں جنہوں نے نعمتوں کی ناشکری کی ہو، اللہ کی نعمتوں کو غلط مقاصد کے لئے استعمال کیا ہو اور یوں اللہ کے غضب کے مستحق قرار پاگئے ہوں۔ ۲) یہ لوگ ایسے بھی نہیں ہیں جو بیچ راہ میں دائیں بائیں منحرِف ہو گئے ہوں اور نہ ہی ایسے ہیں کہ بظاہر تو اللہ کے نعمتوں سے فیضیاب نظر آتے ہیں مگر درحقیقت اللہ کے غضب کے مستحق، گمراہ اور منحرِف ہیں۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَـٰلَمِينَ ﴿١﴾ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴿٢﴾ مَـٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ ﴿٣﴾ إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ ﴿٤﴾ ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٲطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ ﴿٥﴾ صِرَٲطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ﴿٦﴾ غَيۡرِ ٱلۡمَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ ﴿٧﴾

(۱)تمام ستائش عالَموں کے رب اللہ کے لئے ہے۔(۲)وہی نہایت مہربان، رحم کرنے والا۔(۳)روزِ جزاء کا بلا شرکتِ غیرے مالک۔ (۴)ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔(۵)ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کردے۔(۶)اُن لوگوں کا راستہ جنہیں تُونے نعمتوں سے نوازا ہے۔(۷)جن پر نہ غضب ہوا ہے اور نہ وہ گمراہ ہیں۔

---

(۱) یہ اِس سورت کی پہلی آیت ہے؛بسم اللہ الرحمنِ الرحیم اس سورت کا جزء نہیں ہے۔بسم اللہ کا تعلق اِس سورت کے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کہ باقی تمام سورتوں کے ساتھ۔اِس پہلی آیت میں ایک ایسی بڑی اور بنیادی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو جاننا سب سے مقدم اور ضروری ہے اور وہی توحید کی بنیاد اور اللہ کی معرفت کی پہلی سیڑھی ہے۔وہ یہ کہ اِس آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ ذات جس نے یہ تمام عالم پیدا کئے، جو اِن کی پرورش کرتی ہے، جو اِن کی ہر چیز اور تمام حصوں میں ایک رب(پالنہار) کی حیثیت سے تصرف کرتی ہے اور جس کی ربوبیت، پرورش اور روزی رسانی کے آثار اور مظاہر ہر طرف اور ہر قدم پر دکھائی دیتے ہیں، وہی بلاشبہ تمام ستائشوں کی حقدار ہے۔یہ مشہود اور تمہاری آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا عالم اور اِس میں واقع یہ لاتعداد چیزیں اِسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور تمہیں اِسی اعتراف پر مجبور کرتی ہیں۔ہر طرف نظر آنے والا یہ جمال وکمال، حسن ودلکشی، نظم وترتیب، ہر چیز کی درست تخلیق، ہر تخلیق میں موجود اور نظر آنے والی مقصدیت، اِن کی درست پرورش اور پرداخت؛ یہ تمام اِس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اِن عالَموں کا رب ہر ستائش کا حقدار اور ہر عیب ونقص سے مُنزّہ اور پاک ہے۔اِس وسیع وعریض عالم کے یہ لاتعداد اجزاء جن میں سے ہر ایک جزء انتہائی دقّتِ نظر اور باریک بینی سے انتہائی منتخب اور دلکش شکل وصورت میں تخلیق کیا گیا ہے، کسی مخصوص ہدف اور ایک خاص غرض وغایت کی تکمیل پر مامور کیا گیا ہے اور اِن میں سے ہر ایک جزء ایک منظم، مسلسل اور کامل انہماک کے ساتھ اپنے مخصوص کام اور منفرد ذمہ داری کو انجام

دینے میں دن رات مشغول ہے۔ یہ تمام اجزاء خود اپنے وجود سے بھی اور اپنے کام اور تگ و دو پر مرتب ہونے والے نتائج سے بھی کسی خلا کو پُر کرتے اور کسی احتیاج کو پورا کرتے نظر آتے ہیں۔ اِس تمام پھیلے ہوئے عالم میں، بے مقصد، بے ہدف، غیر ضروری یا ضرورت سے کم کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ وہ ذات جس نے اِس لامحدود وسیع عالم کو اِس کی تمام تر دلکشی، فیض رسانی، اور گہرے دقیق نظم وضبط کے ساتھ تخلیق کیا، جس کے اختیار میں اِس کی دیکھ بھال اور پرورش کی باگیں ہیں اور جو عملاً اِس کے ذرے ذرے کی دیکھ بھال اور پرورش انجام دے رہی ہے۔ اِن کی رہنمائی کر کے اِنہیں کمال پر پہنچاتی اور آگے بڑھنے کی توفیق دے کر اِن پر پہلے سے معلوم و مقررہ نتائج مترتب کرتی ہے تو وہی ذات اللہ ہے اور بے شک وہی ہر فیض کا سرچشمہ اور تمام ستائش کی حقدار ہے۔ تمام تعریف اور حمد وثناءاُسی عالموں کے رب اور پالنے والے اللہ کے لئے ہے۔ اگر مجھے اِس فراخ عالم میں ہر طرف اُس کی ربوبیت، دیکھ بھال اور رزاقی کے کُھلے مظاہر اور نشانیاں نظر آتی ہیں۔ جس طرف بھی نگاہیں پھیرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ہر چیز عدم سے وجود میں آتی ہے، رفتہ رفتہ بڑھوتری کی منازل طے کرتی ہوئی، کمال کی طرف نشوونما پاتی ہوئی، اپنے ارتقاء کی آخری سیڑھی تک پہنچتی ہے اور ایک لازمی ضرورت رفع کرتی اور ایک اہم خلاء کو پُر کرتی ہے۔ پھر اُس کا زوال شروع ہو جاتا ہے، عمر رسیدگی کی منزل سے گزر کر موت کو گلے لگاتی ہے۔ اپنی جگہ دوسرے نئے کار آمد جزء کے لئے خالی کر دیتی ہے اور یہ سب کچھ ہر لحظہ اور ہر جانب بار بار وقوع پذیر ہو رہا ہے تو مجھے اِن مظاہر کی پشت پر ربوبیت اور رزاقیت کے ایک غیر مرئی اور نظر نہ آنے والے ہاتھ کا احساس ہوتا ہے؛ وہی میرا اللہ ہے اور وہی اِس عالم کا اللہ ہے۔ میں نہ صرف اِس عالم میں رزاقی اور ربوبیت کا ایک غیر مرئی ہاتھ محسوس کرتا ہوں بلکہ مجھے اِس عالم کے ہر جزء اور اُس جزء کی ایک ایک حرکت میں حسن، دلکشی، کمال اور ہدف مندی نظر آتی ہے اور کوئی بے کار، بے مقصد اور غیر ضروری چیز کہیں نظر نہیں آتی۔ میرے چاروں طرف بکھری ہوئی چیزیں، انفرادی طور پر اور ایک دوسرے سے مل کر بھی، کسی خاص مقصد کے تکمیل کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔ میں اِن تمام چیزوں اور اجزاء کے اندر ایک نظم، ایک یگانگت، ایک ہم آہنگی اور گہری تنسیق کا شاہد ہوں۔ اِس عالم کی یہی ملموس اور مشہود کیفیت میری زبان پر اِن الفاظ کے جاری ہونے کا سبب بنتی ہے کہ: ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ: تمام تعریفیں اللہ رَب العالمین کے لئے ہیں۔ ہم اِس وسیع عالم کی فراخ گود میں کسی ایک بھی ایسی چیز کی نشاندہی نہیں کر سکتے جو ہونی چاہیے تھی مگر اُس کی جگہ خالی ہے۔ ہر چیز نہایت خوب پیدا کی گئی ہے اور کسی ایک واضح ہدف اور مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اِن کی تخلیق میں "علم"، "حکمت" اور "قدرت" کے واضح آثار نظر آتے ہیں۔

اِس عالم کی ہر چیز اللہ کے وجود کی شہادت دیتی ہے۔ ہم اللہ پر ایمان کے بغیر اِس وسیع و عریض عالم کے وجود کی کوئی تعبیر اور تفسیر پیش کر سکتے ہیں، نہ ہی اِس باریکی کے ساتھ اُس کی دیکھ بھال اور پرورش کی اور نہ ہی اُس میں موجود نظم، دلکشی اور

ہدف مندی کی۔ یہاں ہم "ربوبیت" اور "رزاقیت" کے وہ آثار دیکھتے ہیں جو ایک "رب" اور "پالنہار" کے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز عدم سے شروع ہوتی ہے، رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہے، اُس کی پرورش اور دیکھ بھال ہوتی ہے اور اُس کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ ہر چیز اپنی بڑھوتری اور ارتقاء کی آخری سیڑھی تک پہنچ کر ایک خلا کو پُر کرتی ہے، ایک ضرورت رفع کرتی ہے اور اپنی ذمہ داری کے اختتام پر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ یوں وہ ضعف اور ناتوانی کی منزل سے گزرتے ہوئے فنا ہو جاتی ہے اور اپنا مقام ایک نئے جوان وجود کے لئے خالی کر دیتی ہے۔ ہماری عقل اس سلسلۂ حوادث کی پشت پر ایک ایسی پالنہار ذات کی قدرت کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتی ہے جو بڑی دقتِ نظر سے اِن سب چیزوں کی پرورش اور دیکھ بھال کر رہی ہے۔

اگر آپ باریک بینی سے قرآن کی تلاوت کریں تو دیکھ لیں گے کہ جگہ جگہ اور متعدد آیات میں اللہ کے وجود کے اثبات کے لئے سورۂ الفاتحہ کی اِس آیت کی مانند استدلال سے کام لیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ: یہ زمین و آسمان کس نے پیدا کئے؟ اِس چاند اور سورج کا طلوع اور غروب کس کے ارادے سے انجام پا رہا ہے؟ آسمان سے بارش کون برسا رہا ہے اور زمین سے غلہ اور پھل کون نکالتا ہے؟ زندگی اور موت کے فیصلے کون کرتا ہے؟ یہ بے جان مادہ کس کے حکم سے زندہ وجود میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ یہ اور اس کی مانند مزید سینکڑوں دلائل۔

(۲)سورہِ الفاتحہ کی دوسری آیت کے تناظر میں اِس عالم کے اندر رحمت اور مہربانی کی پھیلی ہوئی نشانیاں رحمٰن رب کے وجود کے لئے دلیل کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ: وہی بہت ہی مہربان اور وسیع عطایا کا مالک اللہ؛ جس کی رحمت اتنی لا انتہا ہے کہ مبالغے کا کوئی بھی صیغہ اُس کی وسعت اور عظمت کے بیان کے لئے کافی نہیں ہو سکتا لہٰذا دو صیغے چاہئیں۔ وہی بہت زیادہ مہربان، وہی جس کی رحمت اور مہربانی کے کھلے مظاہر اور واضح نشانیاں تمہیں اِس عالم میں نظر آتی ہیں۔ بچہ ابھی اِس دنیا میں آیا بھی نہیں ہوتا، ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے کہ اُس کی بقا کی حیات بخش ضرورت، خوش ذائقہ دودھ کی شکل میں اُس کی ماں کے سینے میں اتر آتا ہے۔ ماں باپ کے دل میں اُس کی اتنی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے کہ وہ اُس کی خاطر ہر مشکل جھیلنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ کون ہے جو اِس معصوم کے لئے اُس کی احتیاج اور تقاضے سے قبل ہی روزی تیار کرتا ہے؟ اِس کے ماں باپ کے دل میں یہ محبت کس نے ڈال رکھی ہے؟ وہ کون ہے جس نے اِس کو وہ دل موہنے والی صورت، نقش و نگار، آواز اور حرکات عطا کی ہیں کہ صرف والدین ہی نہیں بلکہ ہر کسی کی توجہ اور التفات کا مرکز بنا ہوا ہے؟ غور کریں تو یہی وہ چیز ہے جس کا ایک نوزائدہ بچہ ہر چیز سے بڑھ کر محتاج ہوتا ہے۔ وہ کون ہے جو انسان، حیوان اور نباتات کی ہر احتیاج کا جواب دیتا ہے اور اُن کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے؟ اُن کے لئے روشنی، حرارت اور پانی کا انتظام کرتا ہے؟ اُن کے پینے کا پانی استعمال کے بعد نہروں اور بڑے بڑے دریاؤں اور سمندروں کی طرف بہہ نکلتا ہے، نمکین اور تیزابی ہو جاتا ہے یا زمین میں جذب ہو جاتا ہے جہاں سے اُس کا نکالنا یا سمندروں سے واپس لانا ناممکن ہو جاتا

ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کی شعاعیں اِسی کھاری اور تیزابی پانی کو تبخیر کے عمل سے گزار کر اور مصّفا کر کے ہواؤں کے ذریعے بخارات کی صورت میں اوپر آسمانوں پر اُٹھالے جاتی ہیں۔ وہاں یہ بخارات سرد ہواؤں کی وجہ سے بادل میں بدل جاتے ہیں، ہوائیں اِن بادلوں کو اٹھا کر آپس میں بانٹ دیتی ہیں اور ہر ایک اپنا اپنا حصہ لے کر اپنی خاص سمت میں، اس کے لئے مخصوص علاقے کی طرف چل پڑتی ہے۔ وہاں پہنچ کر صحرا اور بستیوں کے محتاجوں اور بارش کی راہ تکنے والوں پر جل تھل کر دیتی ہیں اور بلند و بالا پہاڑوں پر اُسی بارش کو برف باری کی صورت دے کر گہری کھائیوں، وسیع دامن اور اونچی چوٹیوں پر پانی کا وافر ذخیرہ جمع کر دیتی ہیں۔ یہی برف گرمی کے موسم میں جب انسان، حیوان اور نباتات پانی کی شدید ضرورت کا سامنا کرتے ہیں، تھوڑی تھوڑی کر کے پگھلتی ہے اور نہروں، کاریزوں اور چشموں میں اُن کی پیاس بجھانے کے لئے بہہ نکلتی ہے۔ یوں ہر کسی کی ضرورت رفع ہو جاتی ہے۔ بے شک تمام تعریفیں اُس رب کے لئے خاص ہیں جس کی لامحدود رحمت اور مہربانی کے آثار اور نشانیاں اس عالم میں پھیلی دکھائی دیتی ہیں۔

ہم اس عالم میں "رحمت" اور "مہربانی" کی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں اور اُن کی پشت پر ایک ایسی ذات کا غیر مرئی ہاتھ بھی جو انتہائی شفقت اور ترحم کے ساتھ، ہر چیز کی پرورش اور دیکھ بھال کرتی ہے۔ انسان نے ابھی روئے زمیں پر قدم نہیں رکھا ہوتا کہ ماں کے سینے میں ایسا دودھ اُس کا انتظار کر رہا ہوتا ہے جو اُس کی تمام ضرورتوں کو ایک مسکت جواب فراہم کرتا ہے۔ یہ کام کون کرتا ہے؟ کس کے ارادے سے مستقبل کے اِن حوادث کے لئے تیاری ہو رہی ہوتی ہے؟ کون مہربان ذات ہے جو انسان کی احتیاجات کو مدنظر رکھے ہوئی ہے اور اُس کی پیدائش سے پہلے مہربان ماں کی آغوش میں اُس کے لئے تیاری مکمل کرتی ہے؟ جب انسان، حیوان اور نباتات بارش کی راہ تک رہے ہوتے ہیں تو کون ہے جس کے ارادے سے اُن پر بارش برسائی جاتی ہے؟ جب وہ روشنی اور حرارت کے محتاج ہوتے ہیں تو کون اُن کے لئے سورج نکال لاتا ہے تاکہ اُن کا گھر روشن اور گرم رکھے؟ کس نے اُن کے اندر بیماری اور جراثیم کے مقابلے کی طاقت رکھی ہے؟؟

(۳) تیسری آیت میں حکمرانی، نظم و نسق اور ضبط و ترتیب کے اُن مظاہر کو جو اِس عالم میں ہر طرف نظر آرہے ہیں، بااختیار اور مالک الملک خدا کے وجود کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ تم اِس عالم میں ایک ایسی مطلق العنان حکمران ذات کی حکمرانی کے آثار واضح طور پر دیکھتے ہو جو ہر چیز کی پرورش کرتی ہے۔ ہر چیز اُس کے آگے مسخر ہے، اُس نے ہر چیز کی پیدائش، حرکت، کمال اور زوال کے لئے جو راہِ عمل اور حدود مقرر کر رکھے ہیں، وہ اُن سے ذرہ برابر انحراف کئے اور تغیر لائے بغیر اُنہی راستوں پر چلی جارہی ہے۔ سورج اپنے وقت پر ہر روز اپنے مخصوص مقام سے طلوع ہوتا ہے، زمین کو روشنی اور حرارت پہنچاتا ہے اور پھر مقررہ وقت پر اپنے مقررہ مقام پر غروب ہو جاتا ہے۔

آسمان کی اِس وسیع اور لامتناہی گود میں اربوں کھربوں ستارے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں چلتا ہے اور اُن کے درمیان تصادم اور ٹکراؤ سے بچنے کی پیش بندی ہوتی ہے۔ اُن میں سے نہ کوئی ایک دوسرے کے مدار میں داخل ہوتا ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہ سب کچھ جس ذات کے منقاد اور تابع فرمان ہے اور جس کے حکم کے عین مطابق اپنے مقررہ راستے پر محوِ سفر ہے وہی سب عالموں کا مالک الملک 'اللہ ہے اور ہر تعریف اُسی اللہ کے لئے ہے۔ وہی اللہ جو اِس عالم میں مطلق العنان حاکم کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے اور ہر چیز اُس کے احکام کے آگے فرمانبردار و منقاد ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں آپ دیکھ لیں گے کہ سورہ الفاتحہ کی اِس تیسری آیت کی مانند استدلال کیا گیا ہے اور عالم میں حکمرانی اور نظم وضبط کے مظاہر مالک الملک خدا کے وجود کے اثبات کے دلائل کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

أَفَغَيْرَ دِينِ ٱللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُۥٓ أَسْلَمَ مَن فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ۔ ال عمران ۸۳

کیا اللہ کے دین کے علاوہ کسی چیز کی تلاش میں ہو، اِس حال میں کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز طوعاً اور کرھاً (چاہتے یا نہ چاہتے) اُس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئی ہے اور اُس کی طرف پھیرائی جارہی ہے۔

اِس عالم کی ہر چیز اپنے پالنہار (مالک) خدا کے وضع کردہ سنن وضوابط کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئی ہے، ہم ہر طرف اُنہی سنن وضوابط کی حاکمیت کے شاہد ہیں اور ہر کام اُنہی کے مطابق انجام پاتا ہے۔ ہمیں بتائیں کہ یہ سنن وضوابط کس کے وضع کردہ ہیں؟ کس کا ارادہ ہے جو اُن سنن کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے جن کے آگے ہر چیز محکوم و مقہور ہے؟؟

ہر "مخلوق" اور ہر "مصنوع" کسی "خالق" اور "صانع" کے وجود کی شہادت دیتا ہے۔ "بلا خالق" مخلوق اور "بلا صانع" کے مصنوع کا تصور انسانی عقل کے منافی ہے۔ کسی بھی ڈیزائن کو دیکھ کر ہماری عقل فیصلہ صادر کرتی ہے کہ لازماً اس کا کوئی ماہر ڈیزائنر موجود ہے اور ہر تصویر اپنے مصور کی یاد دلاتی ہے۔ اگر کوئی آپ کو بتائے کہ یہ "رسم" کسی "رسام" کے بغیر خود بخود بن گئی ہے، یہ "تصویر" کسی "مصور" کے بغیر خود ہی بن گئی ہے یا یہ "کتاب" کسی مصنف کے بغیر لکھی گئی ہے تو تمہاری عقل لازماً ایسی باتوں کا تمسخر اُڑاتی ہے۔ ایسے میں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ تمہاری عقل تسلیم کرے کہ یہ تمام ہستی، اِس میں موجود لاتعداد دلکش اور خوبصورت مخلوقات، اِس کے ہر حصے میں موجود "علم"، "ہنر"، "باریک بینی" اور "مقصدیت" کی پھیلی ہوئی نشانیاں کسی "علیم"، "قدیر" اور "حکیم" خالق کے بغیر پیدا ہوئیں۔ کسی ایک "مصنوع" اور "بنائی گئی" چیز میں "علم" اور "آگہی" کی نشانیاں ہمیں بتاتی ہیں کہ اُس کا پیدا کرنے والا عالم اور سمجھ دار ہے۔ دِقتِ نظر اور نزاکت و باریکی کی

نشانیاں بتاتی ہیں کہ اُس کا پیدا کرنے والا ماہر ہنر مند اور تخلیق کار ہے۔ ہم اُس مصنوع میں موجود نشانیوں میں بنانے والے کے ہاتھوں کے آثار دیکھ کر اُس کی شخصیت اور مقام و مرتبہ تک کا اندازہ کر لیتے ہیں، چاہے ہم نے اُس چیز کے پیدا کرنے والے اور ڈیزائن کرنے والے کو نہ بھی دیکھا ہو۔ ہماری عقل آثار اور نشانیاں دیکھ کر خالق، صانع، ڈیزائنر اور مصور کی موجودگی کا یقین پیدا کر لیتی ہے۔

اسی طرح "مصنوع" کی ہر "صفت" صانع کی ویسی ہی صفت کی نشاندہی کراتی ہے۔ اگر مصنوع آنکھیں رکھتا ہے تو صانع بھی لازماً بصیر اور بینا ہو گا؛ کور چشم طبیعت ایک بینا انسان تخلیق نہیں کر سکتی اور بہری طبیعت سننے والی مخلوق پیدا نہیں کر سکتی۔ مصنوع میں علم اور سمجھ کی صفت اِس بات کی شہادت دیتی ہے کہ صانع بھی لازماً علیم اور دانا ہے؛ مردہ اور بے جان طبیعی طاقتیں زندہ موجودات کی خالق نہیں ہو سکتیں۔ کسی بھی انسان کی عقل یہ بات نہیں مان سکتی کہ اندھی، بہری، بے جان اور بے عقل طبیعی قوتیں ایک ایسی مخلوق کو تخلیق کر پائیں گی جو نہ صرف آنکھوں والی، کانوں والی، زندہ، متحرک اور عقل و ارادے کی مالک ہو بلکہ اِس سے آگے بڑھ کر وہ خود اپنے اُس خالق "طبیعت" کی مہار تھام کر اپنی مرضی سے اُس میں تصرف کرنے کی بھی قابل ہو۔

ہم یکے بعد دیگرے رونما ہونے والے اِن منظم تغیرات کے، جو مخصوص ضوابط اور سنن کے مطابق انجام پذیر ہوتے ہیں، پسِ پردہ ایک ایسی ذات کے غیر مرئی ہاتھوں کا لمس اپنی عقل و شعور کے ذریعے محسوس کرتے ہیں جو انتہائی دقتِ نظر اور باریک بینی سے تمام امور سنبھالے ہوئی ہے۔ وہ ذات ہر چیز کی پیدائش کی ابتداء صفر (عدم) سے کرتی ہے، ایک حالت سے دوسری میں تبدیل کرتے ہوئے رفتہ رفتہ اُسے بڑھوتری کے عمل سے گزارتی ہے اور اُسے کمال پر پہنچا کر پہلے سے مقرر ایک منفرد مخصوص کام کی انجام دہی کرا کر اُس کے ذریعے کوئی ایک ضرورت رفع کرا دیتی ہے۔ اِس کے بعد اُسے بڑھاپے کے منزل سے گزار کر موت سے ہم کنار کر دیتی ہے اور یوں اُس کی جگہ ایک نئے، جوان، باصلاحیت اور ارتقاء پذیر وجود کے لئے خالی کر دیتی ہے۔

اِس عالم کے جمال، نظم اور بامقصد تغیرات کو دیکھ کر ہر باشعور اور باضمیر انسان اِس نتیجے تک باآسانی پہنچ سکتا ہے کہ یہ سب ضرور بالضرور اُس حکیم رب اور علیم پالنہار کے تصرف کے مظاہر ہیں جو تمام منتخب صفات سے متصف اور تمام ستائشوں کا مستحق ہے۔ ہمیں اگر پلاسٹک کا ایک ٹوٹا ہوا ٹکڑا، چینی کا ٹوٹا ہوا ایک برتن، سفید کاغذ پر کھینچی گئی چند لکیریں نظر آ جائیں تو اُن کو تکتے ہوئے اُن میں ایک فنکار، انجینئر، خطاط اور مصنف کے ہاتھ کے آثار تلاش کرتے ہیں۔ ہم بہت جلد اِس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ کانچ کے ٹکڑے پر بنا ہوا یہ ڈیزائن (رسم) ایک ماہر ڈیزائنر کے ہاتھ کی نشانی ہے۔ پلاسٹک کا وہ ٹکڑا پکار پکار کر کہتا ہے کہ مجھے ایک ایسے شخص

نے بنایا ہے جو پلاسٹک کے خواص سے اچھی طرح واقف اور اُس سے قسم قسم کی چیزیں بنانے پر قادر ہے۔ اِسی طرح چینی کے برتن کا ٹکڑا بھی اپنے صانع کا تعارف کراتا ہے، تم اُس میں برتن بنانے والے کی مہارت، علم اور ہنر کی نشانیاں دیکھتے ہو اور کاغذ پر کھینچی گئی لکیریں بھی تمہیں اپنے خطاط کی استعدادات اور صلاحیتوں کی خبر دیتی ہیں۔ کس طرح ممکن ہے کہ انسان اِس عالم کی یہ لاتعداد خوبصورت، دلکش اور منتخب مخلوقات، قسم قِسم کے پرندے، چھوٹے بڑے حیوانات، مفید اور کارآمد نباتات، خوبصورت پھول، خوش ذائقہ پھل اور دلکش مناظر دیکھے مگر اِنہیں پلاسٹک کے اُس ٹکڑے، ٹوٹے ہوئے چینی کے اُس برتن اور سفید کاغذ پر کھینچی گئی اُن چند لکیروں کے بقدر اہمیت بھی نہ دے اور اِن کے خالق اور صانع کا انکار کر دے؟ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایسا مل بھی جائے جو زبان سے انکار کر دے مگر مشکل ہے کہ اُس کا دل و دماغ بھی ایسی جھوٹی زبان کا ساتھ دے۔

(۴) چوتھی آیت پر پہنچ کر بیان کا لہجہ بدل گیا ہے۔ پہلے ہم کہہ رہے تھے کہ عالموں کا رَب وہ نہایت مہربان اور مالک الملک خدا ہے جو تمام ستائش کا مستحق ہے مگر اب اُسی اللہ کو براہ راست مخاطب کر رہے ہیں۔ یہ اِس لئے کہ اب ہم اُسے پا چکے ہیں، پیچھے گزرے ہوئے دلائل نے اُس کی پہچان کرا دی ہے۔ اب ہم عالَموں کے اُس مہربان رب کے دربار میں دو معروضات براہِ راست پیش کرتے ہیں: ایک یہ کہ ہم صرف تمہاری عبادت کرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ ہم تم ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ عبادت کا معنٰی غلامی ہے اور تم جانتے ہو کہ غلام اُسے کہتے ہیں جو:

- کسی پر بِک چکا ہو اور اپنا اختیار کُلی طور پر اُس کے سپرد کر چکا ہو۔
- اپنے اختیار میں یا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا۔ اس کے پلّے جو کچھ ہوتا ہے وہ اُس کا نہیں بلکہ اُس کے مالک کا ہوتا ہے۔
- کوئی بھی کام اپنے اختیار سے اور اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق نہیں کر سکتا، صرف وہی کچھ کرتا ہے جس کا حکم اُس کا آقا اُسے دیتا ہے۔
- اپنے سارے کئے کرائے میں اپنے آقا اور مالک کی خوشنودی تلاش کرتا ہے۔ اپنی ذاتی چاہت اور خواہش کے تحت کچھ نہیں کر سکتا۔
- نہ تو اپنا کوئی ذاتی دوست رکھتا ہے نہ دشمن؛ اُس کے آقا کا دوست اُس کا دوست اور اُس کے آقا کا دشمن اُس کا دشمن ہوتا ہے۔

تمام مسلمان ہر نماز میں لازماً اور بار بار اِس سورت کی تلاوت کے مکلف ٹھہرائے گئے ہیں۔ اِس طرح ہر روز کم از کم ۳۲ مرتبہ یہ عہد دہرا کر، اُن سے اِس کی پاسداری کا اقرار لیا جاتا ہے تاکہ اِس سورت میں کہی گئی یہ بنیادی بات اُن کو ہمیشہ یاد رہے اور وہ ایک لحظہ بھی اِس سے غافل نہ ہوں۔ میں نماز پڑھنے والے اپنے بھائی اور بہن سے سوال کرتا ہوں کہ:

❖ کیا واقعی جب آپ نماز کے دوران اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ کلمات دُہراتے ہیں، تو اِس وعدے اور عہد کے معنٰی اور تقاضوں پر غور کرتے ہیں؟ کیا کبھی توجہ مبذول ہوئی ہے کہ اِس طرح کر کے آپ نے اپنے رب کے سامنے کن بڑی بڑی باتوں کا عہد کیا ہے؟ اگر ہاں تو آپ نے کیا کبھی اِس عہد کو وفا کرنے کی کوئی شعوری کوشش کی ہے؟

❖ نماز پڑھنے والے میرے بھائی! اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنی جان، مال اور وقت بچا بچا کر رکھا ہے۔ اپنی جان، مال اور اولاد کو اللہ کی امانت نہیں سمجھا اور اللہ کی راہ میں اُن کی قربانی سے گریز کیا ہے۔ ہر کام کو اپنی خواہش و ہوس کے حکم پر اُنہی کے تقاضوں کے مطابق انجام دیا ہے۔ کسی بھی کام کے آغاز میں نہ دیکھا اور نہ سوچا کہ تمہارا رب اِس بارے میں کیا حکم دیتا ہے بلکہ اِس کے برعکس تم نے اللہ کے قہر و غضب کی قیمت پر بار بار اپنی رضا کی پیروی کی ہے اور اگر تم نے اللہ کے دوستوں کے ساتھ دشمنی اور اُس کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کی ہے تو تمہارا یہ عہد ایک جھوٹا وعدہ تھا۔ گویا کہ تم بار بار اللہ کے ساتھ جھوٹا عہد باندھنے کے مرتکب ہوئے ہو اور ہر بار اپنا عہد توڑتے رہے ہو۔

اِسی طرح جب تم کہتے ہو کہ (اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) تو اِس کا مطلب ہے کہ: اے اللہ! میں صرف اور صرف تمہارے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہوں اور تمہارے ہی سامنے اپنی ضروریات پیش کرتا ہوں۔ تمہارے بغیر میں کسی کا دامن نہیں تھامتا، کسی سے اُمیدیں وابستہ نہیں کرتا اور یہ کہ تم ہی میرے لئے کافی ہو۔ میرا عقیدہ ہے کہ سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے، تم ہی اپنے بندوں کی پرورش اور نگہبانی کرتے ہو اور اُن پر نہایت مہربان ہو؛ اس لئے میں فقط تم ہی سے سب کچھ مانگتا ہوں۔

پس سورہ فاتحہ پڑھ کر تم اپنے رب کے ساتھ مکرر عہد کرتے ہو کہ تمہارے علاوہ میں کسی کے سامنے عبادت اور غلامی کے لئے سر نہیں جھکاتا اور کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔

لیکن اگر اِس بار بار کے عہد باندھنے کے ساتھ ساتھ تم نے اپنی اُمیدیں کسی دوسری ذات کے ساتھ یا کسی اور چیز سے وابستہ رکھی ہوں، مستعان اللہ کو اپنے لئے کافی نہ سمجھا ہو اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسروں کے دامن تھامتے رہے ہو۔ اگر تم یہ گمان کرتے رہے ہو کہ اِس عالم کی ربوبیت، نگہبانی، پرورش، دنیا کے نظم و نسق اور لوگوں کی حوائج و ضروریات پوری کرنے کے لئے اللہ نے اپنے لئے شریک بنائے ہوئے ہیں جو یا تو خود اور یا اللہ کے ذریعے یہ کام سر انجام دیتے ہیں تو تم ہی بتاؤ کہ تمہارے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھنے کا کیا مطلب ہوا؟

آپ کو علم ہونا چاہیے کہ سورہِ فاتحہ تمام قرآنِ عظیم الشان کا خلاصہ ہے یا دوسرے لفظوں میں تمام قرآن اِسی مبارک سورت کی شرح اور تفصیل ہے۔ اب جبکہ سورہِ فاتحہ کا مرکزی اور محوری مفہوم یہی چوتھی آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

نَسْتَعِيْنُ ہے تو اِس سے معلوم ہوا کہ: یہی قرآن کا محوری اور اساسی مدعا ہے اور یہ کہ انسان اور اُس کے رب کے درمیان یہی رابطہ مضبوط کرلیا جائے کہ عبادت صرف اُسی کے لئے ہو اور مدد صرف اُسی سے مانگی جائے۔

(۵) اِس عظیم دعوے پر دوٹوک الفاظ میں عہد باندھنے کے بعد تم اپنا پہلا مطالبہ (demand) اور پہلی حاجت اپنے مولا کے سامنے پیش کرتے ہو اور کہتے ہو: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيم" ہمیں سیدے راستے کی ہدایت فرما۔ تمہاری دعا کا معنی یہ ہے کہ:

- تمہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلنے کی فکر ہے اِس لئے تمہاری پہلی تمنا اور دعا یہی ہے۔
- تم صرف اپنے لئے نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق کے خواستگار (طلب گار) ہو۔ اِس لئے کہ تمہیں احساس ہے کہ صرف تمہارا راہِ راست پر ہونا کفایت نہیں کرتا بلکہ تم ضرورت محسوس کرتے ہو کہ ایک صالح معاشرے میں گزر بسر کرو۔ اگر معاشرہ صالح نہ ہو تو افراد کے لئے اُس میں صالح رہنا اور راہِ راست پر چلنا دشوار ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ تمہاری محبت اور التفات بھی تقاضا کرتی ہے کہ اپنے ساتھ ساتھ اُن کو بھی دعاؤں میں یاد رکھو۔
- الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے تمہاری مراد وہی چوتھی آیت میں ذکر کیا گیا مفہوم ہے یعنی صرف اللہ کی عبادت اور صرف اللہ سے استعانت۔
- تم نے ایک ایسے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق مانگی ہے جو تمہیں براہِ راست اللہ کے پاس لے جاتا ہے اور اُس میں دائیں بائیں مڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم صرف اتنا کہتے کہ ہمیں ہدایت دے دے تو اُس کا معنٰی یہ ہوتا کہ تجھے درست فکر، صحیح نظریہ اور علمی رائے سُجھائی جائے۔ مگر تم نے کہا ہے کہ ہمیں مستقیم راستے کی ہدایت کردے، کسی ایک راستے پر چلنا، نقطۂ نظر اور رائے کے ساتھ ساتھ عزم، عمل، حرکت اور منزلِ مقصود اور ہدف مقرر کرنے کا بھی متقاضی ہوتا ہے جب کہ رائے اور نظریہ صرف ذہنی یک سوئی اور اُس پر قناعت تک محدود ہوتا ہے۔ لٰہذا یہ دعا مانگ کر تم اللہ سے رائے کی درستگی، ہدف کی پاکیزگی، عزم کی سچائی اور راہ عمل کی درستگی، سب کی بھیک مانگتے ہو۔

اب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا فیصلہ کر لو کہ یہ روز روز تم بتکرار ہدایت اور رہنمائی کی تمنا جو کرتے ہو اور اللہ جَلّ شانہ سے نمازوں میں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق مانگتے ہو تو کیا نماز سے قبل یا بعد میں ہی سہی، کبھی تم نے راہِ راست کو پہچاننے کی کوشش یا اُس راہ پر چلنے کا عزم کیا ہے۔ اگر نہیں! تو اِس دعا سے تمہارا مقصد کیا ہے؟؟

تم جب صبح نماز سے فارغ ہو جاتے ہو اور دن کے کام کاج کی منصوبہ بندی کرتے ہو تو اگر نیّت تمہاری کج ہوتی ہے، عزائم گندے ہوتے ہیں، مال و دولت اور عزت و اقتدار کے لئے پر پیچ چالیں چلتے ہو اور اللہ کے سیدھے اور صاف راستے کو چھوڑ

کر شیطان کی بنائی ہوئی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر دوڑتے ہو تو اُس صورت میں کون تمہارے اِس جھوٹے دعوے کو تسلیم کرے گا کہ تم نے اللہ سے راہِ راست پر چلانے کی دعا اور تمنا کی تھی۔

(٦) تمہاری اِس دعا کے بعد تمہاری مانگی گئی راہِ راست کی مزید توضیح اِس طرح ہوئی ہے کہ: اُن لوگوں کا راستہ جن پر تمہارے لطف و کرم کا سایہ ہے اور جو اِس راستے پر چلنے کی وجہ سے تمہاری نعمتوں کے حقدار ٹھہرے ہیں۔

یعنی یہ راستہ صرف ایک فرضی یا فکری لکیر یا پھر ایک مجرد ذہنی اور اعتقادی سلسلۂ حوادث نہیں ہے جو صرف یقین اور اعتقاد کا تقاضا کرتا ہو اور بس؛ بلکہ یہ عمل کے لئے کھینچی گئی ایک سیدھی لکیر ہے۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر کاروان گزرتے رہے ہیں یعنی یہ کہ یہ ایک چلی ہوئی راہ ہے اور تاریخ کے طویل ادوار میں بار بار اللہ کے صالح بندے اِس راستے پر چلے ہیں۔ اِس پر چلنے ہی کے نتیجے میں وہ دست گیر و رہنمارب کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوئے ہیں، عزت اور سربلندی کے مقام پر پہنچے ہیں اور زمین کی خلافت، قوموں کی فکری، اخلاقی، سیاسی اور اجتماعی قیادت وسیادت نیز روئے زمین کے تمام وسائل کے وراث بنے ہیں۔

قرآن اِس راہ پر چلنے والوں اور اللہ کے التفات اور نعمتوں سے بہرہ مند لوگوں کا تعارف اِس طرح کراتا ہے۔

وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُوْلَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّـٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُوْلَـٰٓئِكَ رَفِيقًا ۝٦٩ (النساء ۶۹)

جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق۔

یعنی سورہ فاتحہ پڑھ کر تم پیغمبروں کی رفاقت کی تمنا کرتے ہو اور اِسی کی دعا مانگتے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ اپنے ایمان اور اللہ جَلَّ شانہ کے ساتھ کئے گئے وعدوں میں صادق القول اور سچے قرار پاجاؤ۔ تم شوقِ شہادت کے جذبے سے سرشار رہنا چاہتے ہو اور تمہاری خواہش ہے کہ اپنے آپ کو ہمیشہ اپنے آپ اور اپنے معاشرہ کی اصلاح کے کاموں میں جُتے ہوئے پاؤ، مگر ذرا بتاؤ تو سہی!

- کیا تم نے کبھی اپنی اس دعا کے معنٰی اور ابعاد پر غور کیا ہے؟ پیغمبروں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کی رفاقت اور اُن کے راستے پر چلنے کا عزم وارداہ کبھی باندھا ہے؟
- کیا کبھی اللہ جَلَّ شانہ کے راستے میں شہادت کا جذبہ اور ولولہ تمہارے دل میں اُٹھا ہے؟ تمہاری اِس دُعا کا یہی تو معنٰی ہے کہ تمہیں اللہ کی راہ میں شہادت کی آرزو ہے اور اللہ سے شہداء کے راستے پر چلنے کی توفیق مانگ رہے ہو۔

یہ تو تمہیں علم ہو گا ہی کہ شہادت کا جذبہ صرف اُن لوگوں کے دلوں میں مر جاتا ہے اور صرف اُنہی کے دلوں میں اُس کی جگہ موت کا خوف اور ڈر لے لیتا ہے جو یا تو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور یا اللہ جَل شانہ کی ربوبیت پر یقین نہیں رکھتے۔ جو موت کے پہلے سے متعین اور مقررہ وقت کا عقیدہ نہیں رکھتے اور جن کا اِس بات پر ایمان نہیں ہوتا کہ موت اپنے مقررہ، لکھے ہوئے وقت پر اللہ جل شانہ کے اِذن و حکم سے آتی ہے۔ شہادت کا جذبہ صرف اُنہی کے دلوں میں مرتا ہے جن کو پتہ نہیں ہوتا کہ انسان کی روح صرف مخصوص اور مامور فرشتے ہی کے ذریعے قبض کی جاتی ہے اور خصوصاً اُن لوگوں کے دلوں میں جو یہ نہیں جانتے کہ موت ایک نئی زندگی کی ابتداء ہی تو ہے۔

(۷)سورۂ فاتحہ کے آخری حصے میں تم اُن لوگوں میں شمار ہونے سے پناہ مانگتے ہو جن پر اللہ جَل جلالہ کا غضب نازل ہوا ہے اور وہ گمراہ ہیں۔ یہ مغضوب لوگ یا تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے منعم رب کی نعمتوں کی ناشکری کی ہے اور اُنہیں ایسے راستوں میں استعمال کیا ہے جو موجب غضب ہیں۔ یا پھر یہ وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو اپنے منعم رب کے انعام یافتہ لگتے ہیں، اُن کی ظاہری وضع قطع سے ایسا لگتا ہے کہ یہ نعمتیں اُن کی کچھ قابل قدر خصوصیات کی بناء پر اُن کو حاصل ہیں مگر درحقیت وہ اللہ جَل جلالہ کے غضب کا شکار ہوتے ہیں۔ یا پھر وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد ایسے کرتوتوں کے مرتکب ہوئے ہیں کہ اللہ جَل جلالہ کے غضب میں مبتلا ہوئے۔اِن میں سے جو بھی صورت ہو، یہ گمراہ لوگ وہی ہیں جو ایمان لانے کے بعد گمراہ ہوئے ہیں، چاہے کتنی ہی اُن کی ظاہری وضع قطع یا اُن کا موقف یہی ہو کہ وہ راہِ راست پر ہیں مگر درحقیقت وہ اپنی گمراہی میں دور تک پہنچے ہوتے ہیں۔

اس سورت کے آخر میں تم آمین کہنے کے مکلف کئے گئے ہو جس کا معنی یہ ہے کہ: اے اللہ ہماری دعا قبول فرما۔ تمہاری اِس دعا کے بعد سورہ البقرہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: یہ وہی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے متقین کے لیے)۔ تم نے سورہ فاتحہ میں ہدایت کی بھیک مانگی ہے اور اللہ نے جواب میں فرمایا ہے کہ تمہاری دعا کا جواب یہ کتاب ہے؛ متقین کا رہنما!

اِس غرض کے لئے کہ پڑھنے والے سمجھ جائیں کہ سورۂ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور صفات کا خلاصہ سمو دیا گیا ہے، درج ذیل وضاحت ضروری لگتی ہے:

ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ذکر کئے گئے ہیں۔ اُن میں سے ہر نام اللہ تعالیٰ کی کسی ایک صفت پر مبنی ہے۔ یہ تمام نام سورۂ فاتحہ کی تین صفات (رب، رحمان اور مالک) میں درج ذیل تشریح کے مطابق خلاصہ کئے گئے ہیں۔

- رب کا نام اُن تمام ناموں اور صفات کا احاطہ کرتا ہے جو خالق، باری، بدیع اور مصور کی مانند ہیں۔

- رحمٰن کا نام اُن تمام ناموں اور صفات کو محیط ہے جو لطف و کرم، التفات، اور رحمت کی صفات کے ہم معنٰی ہیں جیسے کہ غفور ، کریم ، حلیم۔
- مالک کا نام اُن صفات اور ناموں کا احاطہ کرتا ہے جو بادشاہی، اقتدار اور حکمرانی سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً قہار ، جبار ، عزیز ، قدیر ، غالب، مومن، مہیمن۔

اِس طرح پہلی آیت مندرجہ ذیل تمام ناموں کا احاطہ کرتی ہے۔

الرب، الخالق، الباری، المصور، اللہ، الہ، الواحد، الاحد، الوتر، الاول، الاخر، الظاہر، الباطن، الحق، المبین، الحیٔ، الصمد

دوسری آیت مندرجہ ذیل ناموں کا:

الرحمن، الرحیم، الرؤف، الاکرم، البر، التواب، الحلیم، العفو، الکریم، الطیف، المجیب، الودود، الوہاب، الولی، المولیٰ، الرفیق، الشافی، المحسن، المعطی، المنان، القریب، الجمیل، الطیب، الشاکر، الشکور، الواسع، النصیر، البصیر، الخیر، السمیع، العلیم، العالم، الشہید، الحافظ، الحفیظ، الرقیب۔

اور تیسری آیت مندرجہ ذیل ناموں کا احاطہ کرتی ہے۔

الملک، الملیک ، القاہر، القہار، القادر، القوی، الکبیر، القدیر، المومن، المہیمن، المقتدر، المتعال، المتکبر، المجید، المعز، المذل، المقدم ، الموخر، الحکم، الحکیم، الباسط، القابض، الرازق، الجبار، الاعلیٰ، العزیز، القیوم، العلی، القدوس، السلام، السبوح، الحمید، الوارد، الغنی، المحیط، الفتاح، الوکیل، المقیت۔

سورۂ الحشر کی تین درج ذیل آیات میں اِن کی تقسیم اِس طرح کی گئی ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۲۲
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۲۳

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَه ٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۲۴

قرآن میں اکثر سمیع، بصیر اور علیم کی صفات اُس مقام پر ذکر کی گئی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اللہ تمہاری دعائیں سنتا ہے، تمہارے اوپر نظر کرم رکھے ہوئے ہے، تمہاری حالت جانتا ہے، تمہیں اکیلا نہیں چھوڑتا اور یہ کہ وہ رحمت اور لطف و کرم کا مالک ہے۔ سورۂ الحشر میں بھی دیکھیں کہ عالم الغیب و الشہادہ کی صفات الرحمن الرحیم کے ساتھ آئی ہیں۔

سورۂ فاتحہ میں بھی اگر آپ غور کریں تو ضرور متوجہ ہوں گے کہ ابتدائی آیات میں ذکر کی گئی صفات:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْم
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ
کے بعد آخری آیات کے مطالب اِس شکل میں آئے ہوئے ہیں کہ:
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ
مذکورہ ترتیب درج ذیل مطالب کی نشاندہی کرتی ہے۔

- صرف وہی اللہ عبادت کا مستحق ہے جو تمام ستائش کا مستحق ہے۔
- صرف اُسی سے استعانت مانگی جائے جو تمام جہانوں کا پالنہار اور رازق ہے۔
- رہنمائی اور ہدایت کی توقع اُسی رحمان اللہ سے رکھی جائے کسی اور رازق سے نہیں۔
- انعامات اور لطف و کرم کی دعا اُسی رحیم رب سے کی جائے نہ کہ کسی اور مرجع سے۔
- مالک الملک رب ہی کے غضب سے ڈرا جائے جو دنیا اور عقبیٰ کا مالک ہے نہ کہ کسی اور کے قہر اور غصے سے۔
- اور چاہیے کہ ہم صرف اِسی فکر و اندیشے میں غلطاں رہیں کہ کہیں قیامت کے دن اُسی مالک الملک اللہ جَلّ شانہ کے دربار میں گمراہوں کی صف میں کھڑے نہ ہو جائیں۔

بعض مترجمین ساتویں آیت کا ترجمہ اِس طرح کرتے ہیں کہ: نہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ اُن لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہیں۔ مگر یہ ترجمہ درست نہیں ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ـــ (الذین) کا بدل یا صفت ہے اور اِس کا دقیق ترجمہ وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے (نہ اُن پر غضب ہوا ہے اور نہ گمراہ ہیں)۔ کابلی تفسیر کا مشہور و معروف مفسِر علامہ شبیر احمد عثمانی بھی اِن لوگوں کے ترجمہ کو آیت کی ترکیب کے خلاف قرار دیتے ہیں یہ اِس لئے کہ یہاں پر لفظِ صراط کا اضافہ آیت کی پوری ترکیب کو بدلنے کی متقاضی بنتا ہے لفظِ الصراط کا اضافہ کرنے سے موجودہ ترکیب ممکن نہیں رہ جاتی۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ عثمانی کی تفسیر کے پشتو مترجم نے اِس آیت کا ترجمہ اُن کی رائے کے خلاف اِس طرح کیا ہوا ہے کہ: نہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا (یہودی) اور نہ اُن لوگوں کا راستہ جو گمراہ (نصاریٰ) ہیں۔

کچھ دوسرے مفسرین بھی(الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ)سے یہود اور (اَلضَّآلِّینَ)سے نصاریٰ مراد لیتے ہیں مگر اِن دونوں کا خطاب عام ہے۔ ہر اُس شخص پر اِن کا اطلاق ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعامات کے بعد اُس کے غضب کا مستحق ٹھہرا ہو اور ہدایت کے بعد گمراہ ہو چکا ہو، یہود اور نصاریٰ اِس کی ایک مثال ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی بابت ایک دوسری بات بھی بحث طلب ہے اور وہ یہ کہ: مذاہب کے اندر ایک اختلافی موضوع یہ ہے کہ کیا نماز میں سورہِ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے یا صرف مستحسن، اور یہ کہ کیا صرف امام پر لازم ہے یا مقتدی اور امام دونوں پر؟ کیا مقتدی امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں تلاوت کرے گا یا نہیں؟ کیا فاتحہ کے بغیر نماز درست ہو سکتی ہے؟ اِس بارے میں قرآن اور احادیث کا کیا حکم ہے؟

آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ قرآن نماز میں تلاوت کا کیا حکم دیتا ہے؟ قرأت کے بارے میں قرآن ہماری متعدد رہنمائیاں کرتا ہے:

- دو مرتبہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ اپنی نمازوں میں قرآن کا ایک آسان حصہ تلاوت کیا کرو: (فاَ قرءَ واماَ تَيسرَ مِنَ القرانِ)اور (فاَ قرءُ ماتَيسرَ مِنْه)
- ہمیں حکم دیتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو غور سے سنو اور منہ بند رکھو: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ الا عراف : ۲۰۴
- پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ جب فرشتہ تمہیں قرآن پڑھ کر سناتا ہے تو خود نہ دہراؤ اور جلدی نہ کرو۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ طٰہٰ۱۱۴
- ان تین آیات کا معنی یہ ہے کہ:

(۱) نماز میں قرآن کا صرف ایک آسان حصہ پڑھنا فرض ہے۔ قرآن میں یہ حکم موجود نہیں ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ہے بلکہ یہ بات احادیث میں آئی ہے کہ جو کوئی نماز میں سورہِ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز ناقص ہے۔

(۲) امام کی قرات کے دوران مقتدی کے لئے منہ ہی منہ میں قرآن پڑھنا، اُس پر ہونٹ ہلانا اور امام کی قرأت پر کان نہ دھرنا قرآن کے حکم کے خلاف عمل ہے۔

- اگر ہمارے سامنے ایسی متعارض آراء یا روایات آجائیں جن میں ایک کہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے بھی کافی ہے، مقتدی کو امام کی قرأت کے دوران منہ بند رکھنا چاہیے اور یہ کہ وہ قرأت نہیں کرے گا۔ مگر دوسرا کہے کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھے گا تو ہم کسی توقف کے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ یہ دوسری رائے قرآن کے ساتھ متعارض ہے اور پہلی رائے قرآن کے ساتھ مکمل موافقت رکھتی ہے۔

اب آئیں اُن لوگوں کی رائے پر غور کریں جو نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض سمجھتے ہیں۔ تھوڑی سی چھان بین کر لیتے ہیں کہ یہ کن روایات سے استناد کر رہے ہیں اور ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ روایت درج ذیل ہے۔
عَنْ عُبَادَةَ بِن الصَّامِتِ أنّ رَسولَ الله ـصلی الله علیه وسلم ـ قَالَ (لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَابِفَاتِحَه الْکِتَابِ)۔ (رواہ البخاری)
عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا، "جو کوئی فاتحہ (الحمدللہ) نہ پڑھے، اُس کی نماز، نماز نہیں ہے۔
یہ روایت بخاری میں ایک مرتبہ آئی ہے۔

اِس روایت کی تعبیر میں محدثین اور فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اِس کی تعبیر یوں کرتے ہیں گویا کہ نماز میں فاتحہ کی تلاوت فرض ہے اور اِس کے بغیر نماز درست نہیں ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے وقت بھی فرض ہے اور انفرادی نماز میں بھی، جہری نمازوں میں بھی اور سری نمازوں میں بھی، امام کے لئے بھی اور مقتدی کے لئے بھی۔ اِن فقہا کا کہنا ہے کہ: جہری نمازوں میں بھی مقتدی، امام کے پیچھے یہ سورت پڑھ لے ورنہ نماز صحیح نہیں ہو گی۔ اِس کے بارے میں صیح رائے قائم کرنے کے لئے درج ذیل نکات پر غور کرنا چاہیے۔

- قرآن میں نماز کی ترکیب کے بارے میں یہ باتیں بتائی گئی ہیں: نماز کی ابتداء میں اللہ کا نام یاد کرنا (و ذکر اسم ربہ فصلی)، قیام، قرأت (فاَ قرأو اماَ تَیسَرَ مِنَ القرانِ)، (وقرآن الفجر)، رکوع اور سجدہ۔ مگر ایسی کوئی بات قرآن میں نہیں ملتی جس سے سورہِ فاتحہ کی تلاوت کرنے کا مفہوم لیا جاسکے بلکہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا کوئی آسان حصہ تلاوت کرو۔
- اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے کہ قرآن کی تلاوت سننے کے دوران خاموش رہو اور کان دھرو۔ اِس کا معنی یہ ہے کہ ہم امام کی تلاوت کے دوران ہمہ تن گوش رہیں اور کچھ کہنے سے اِحتراز کریں۔
- رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے: من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ: "جو کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کی قرأت اُس کی بھی قرأت ہے"۔
- اگر کوئی جماعت میں رکوع کے دوران شامل ہو جائے تو اُس نے پوری رکعت پالی ہے اور اِس رکعت کا اعادہ اُس کے لئے لازم نہیں ہے۔ اگرچہ اُس نے فاتحہ نہ تو پڑھی ہے اور نہ ہی سُنی ہے اِس بات پر سب فقہا کا اجماع ہے۔

اِن نکات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

- جہری نمازوں میں اُس وقت جب امام قرأت کر رہا ہو، سورہِ فاتحہ یا قرآن کی دوسری آیات پڑھنا قرآن کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ جو کوئی امام کی قرأت کے دوران ہونٹ ہلاتا اور اپنے ساتھ چُپکے چُپکے قرأت کرتا ہے، جلدی جلدی اور

عجلت کے ساتھ قرآن پڑھتا ہے تو اُس کا یہ کام خلافِ قرآن و سنت ہے اِس لئے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو اِس طرح کرنے سے منع کیا ہے۔ رسول ﷺ بعثت کی ابتداء میں نزولِ وحی کے وقت فرشتے کی قرأت کے دوران یہی کرتے تھے جس سے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں منع کیا۔

- تلاوت سننا، خود پڑھنے کا قائم مقام ہے۔ جو قرآن کو سنے وہ اِسی طرح ہے جیسے اُس نے خود پڑھا ہو بلکہ کئی دفعہ تو سننے کا اثر پڑھنے سے زیادہ ہی ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں کام یکساں نہ ہوتے تو سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوتا۔
- سِری نمازوں میں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر تلاوت کرنا ویسا ہی ہے جیسے قرأت کے علاوہ دیگر تکبیرات اور تسبیحات کہنا۔ نہ صرف یہ کہ اِس کی ممانعت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ جہری قرأت سے متعلق حکم کو بلا سوچے سمجھے سِری قرأت تک وسعت دی گئی ہے۔
- اگر سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز، نماز نہ ہوتی تو اُس شخص کی نماز درست تصور نہ ہوتی جو سورۂ فاتحہ کے بعد رکوع کے دوران جماعت میں شامل ہوتا ہے۔
- فرض امور وہی ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو۔ سورۂ فاتحہ کی بابت نہ قرآن میں کوئی حکم ملتا ہے اور نہ ہی احادیث میں ایسی کوئی صراحت کی گئی ہے۔ متعدد ایسی احادیث جن میں بہت سارے دوسرے امور کے بارے میں ایسے الفاظ آئے ہوں جیسے (لا دین لمن لا عہدَ لہ) اور یا (لا ایمان لمن لا امانۃ لہ) کا کیا یہی معنی ہے کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ اپنا وعدہ توڑ دیتا ہے تو اسلام سے نکل جاتا ہے؟ یا کسی چھوٹی سی امانت میں بھی اگر خیانت کرے تو اُس کا ایمان ضبط ہو جاتا ہے؟ جس طرح یہاں پر دین سے اور ایمان سے اسلام اور ایمان کا کمال مراد ہے نہ کہ اُن کی مجرد موجودگی، اِسی طرح اُس روایت میں بھی نماز کا حسن و کمال مراد ہے نہ کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کی حقیقت و حیثیت کی مکمل نفی۔

جماعت کے ساتھ نماز میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں بعض روایات کچھ کہتی ہیں اور بعض دوسری کچھ اور۔ عبد اللہ بن شدادؓ، جابرؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی روایات کہتی ہیں کہ امام کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہے۔ روایات درج ذیل ہیں:

عن عبد اللہ بن شداد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم من کان لہ امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ السنن الکبری للبیہقی

عن جابر قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم : ''من صلی خلف امام، فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ المعجم الاوسط للطبرانی

عن جابر، عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال : ''من کان لہ امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ مسند عبد بن حمید

عن جابر قال: صلی الله علیه و سلم ۔ و رجل خلیفه یقرا فنها ہ رجل فلما انصرف تنازعا حتی بلغ رسول الله ۔ صلی الله علیه و سلم ۔ فقال رسول الله ۔ صلی الله علیه و سلم ۔ من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام له قراءۃ۔ رواہ ا للبهیقی

عن عبد الله بن عمر۔ رضی الله تعالیٰ عنهما۔ ''کان اذا سُئِل: هل یقرأ أحد خلف الامام ؟قال: اذا صلی أحدکم خلف الامام فحسبه قراءۃ الامام، و اذا صلی وحده فلیقرأ، قال: و کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام'' ا خرجه الموطأ

عَنْ أبنِ عُمَرَ أنَّه قالَ فِی الْقراءَۃِ خَلْفَ الامامِ تَکْفِیکَ قِراءَۃُ الِامَامِ۔ ۴۰۳/۱ سنن الدار قطنی

مگر دوسری طرف عبادہ بن الصامتؓ، ابو ہریرہؓ اور ابو امامہؓ سے مروی روایات میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر پڑھی گئی نماز یا تو ناقص ہے یا اصلاً نماز ہے ہی نہیں۔ روایات درج ذیل ہیں۔

عن ابی هریرۃ ان رسول الله ۔ صلی الله علیه و سلم ۔ قال: '' کل صلاۃ لا یقرأفیها بفاتحه الکتاب فهی خداج'' رواہ اللبیهقي

عن ابی امامه قال قال رسول الله ۔ صلی الله علیه و سلم ۔: من لم یقرأ خلف الامام فصلاته خداج۔ رواہ اللبیهقي ۔ مگر اِس میں خصوصی طور پر فاتحہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

عن ابن عمرو بن میمون بن مهران عن ابیه من لم یقرأبأم القرآن فی صلاته فهی خداج رواہ الطبرانی فی الاوسط

عن عباده بن الصامت ان رسول الله ۔ صلی الله علیه و سلم ۔ قَالَ ۔:''من لم یقرأ بام القرآن فلا صلاۃ له''۔ سنن الدارمي

عن ابی هریرۃ رضی الله عنه قال امرنی رسول الله صلی الله علیه و سلم ان انادی لا صلاۃ الا بقرآن بفاتحة الکتاب۔ سنن الکبری للبیهقی

سنن الدار قطنی میں دو روایات آئی ہیں جن کو اُس نے ضعیف قرار دیا ہے اُن میں سے ایک عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ روایت یہ ہے کہ:

عن أبن عباس عن النَّبِیَ ۔ صلی الله علیه و سلم ۔ قال ''یکفیک قراءۃ الامام خافت أو جهر''۔ عاصم لیس بالقوی ورفعه و هم۔

دوسری محمد بن عبد اللہ بن عمیر سے کی گئی روایت ہے اِسے بھی وہ ضعیف قرار دیتا ہے۔

حدثنا محمد بن عبدالله بن عبید بن عمیر عن عمر و بن شعیب عن ابیہ عن جده قال قال رسول الله۔ صلی الله علیه و سلم۔ من صلی صلاۃ مکتوبه او تطوعا فلیقرا فیها بام الکتاب و سورۃ معها فان انتهی الی ام الکتاب فقد اجزا و من صلی صلاۃ مع امام یجهر فلیقرا بفاتحه الکتاب فی بعض سکتاتہ فان لم یفعل فصلاته خداج غیر تمام۔ محمد بن عبد الله بن عبید بن عمیر ضعیف۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ایک رائے رکھنے والے ایک قسم کی روایات کو ضعیف سمجھتے ہیں جب کہ دوسری رائے رکھنے والے دوسری قسم کی روایات کو۔ اسناد کے لحاظ سے اِن روایات کے بارے میں قطعی فیصلہ اگر نا ممکن نہیں تو نہایت

مشکل ضرور ہے؛ اتنا مشکل کہ اُمت کے نامور محققین پچھلے چودہ سو سال سے یہ فیصلہ نہ کر سکے، لیکن اگر قرآن کی رو سے اِن روایات کے بارے میں رائے بنانے کی کوشش کریں تو ہم درج ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

۱۔ جو کوئی امام کی اقتداء میں جہری نماز ادا کرے تو امام کی قرأت کافی ہے۔

۲۔ جہری نمازوں میں جس وقت امام قرأت کر رہا ہو تو سورۂ فاتحہ اور دیگر قرآنی آیات پڑھنا قرآن کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۳۔ سِری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا اِس طرح ہے جیسے دوسری تکبیرات اور تسبیحات پڑھنا۔

۴۔ اگر کوئی رکوع میں جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے تو یہ رکعت مکمل سمجھی جاتی ہے اور اِس کا اعادہ نہیں کیا جاتا اِس لئے کہ نماز کے وہ تمام اجزاء جن کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے مکمل طور پر ادا ہو چکے یعنی تکبیرِ تحریمہ، قیام، رکوع اور سجدہ۔ صرف قرأت رہ گئی اور وہ اِس طرح ادا ہو گئی کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت قرار پا گئی۔

۵۔ لہٰذا دونوں آراء کے درمیان معتدل رائے یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، مقتدی خود خاموشی سے قرأت سنے۔ جبکہ سِری نمازوں میں خاموش کھڑا ہونے سے بہتر ہے کہ مقتدی بھی سورہِ فاتحہ پڑھ لے اور قرآن کی تلاوت سرگوشی میں کر لے اِس طرح دونوں روایات پر عمل ہو جائے گا۔ جو روایات کہتی ہیں کہ امام کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہے اُن میں قرأت سے مراد اونچی آواز میں قرأت ہے۔ قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرأت سے مراد اونچی آواز میں قرآن کی تلاوت ہے نہ کہ سرگوشی میں خفیہ آواز کے ساتھ۔ اِن روایات سے یہ مفہوم مراد لینا کہ سِری نمازوں میں مقتدی کا قرأت کرنا مکروہ ہے، تکلف پر مبنی رائے لگتی ہے۔ ایسی کوئی صحیح روایت نہیں ہے جو سِری نماز میں مقتدی کو قرآن پڑھنے سے روکتی ہو۔ اِسی طرح جو روایات یہ کہتی ہیں کہ جہری اور سِری دونوں نمازوں میں امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، ضعیف قرار دی گئی ہیں۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سورہ الحجر آیت ۸۷ میں سورہِ فاتحہ کو قرآن کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ۔

مگر یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے یہاں پر سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ سے مراد سورہِ فاتحہ ہے اور الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ سے تمام قرآن مجید مراد ہے۔ اِس آیت کی اِس طرح سے تفسیر کرنا کہ سورۂ فاتحہ کو قرآن مجید کا نام دے دیا جائے قطعا درست نہیں ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ کا نام قرآن مجید رکھ دیا جائے تو پھر توفاَ قرءَ واماَ تَیسَرَ مِنَ القرانِ کا معنی یہ ہو جائے گا کہ سورۂ فاتحہ میں سے ایک حصہ جو آسان ہو، پڑھ لیں اور نماز میں اِس سورت کا ایک حصہ پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ اِس قسم کی جسارت کوئی نہیں کرتا۔

بخاری کی زیر بحث روایت کے بعد جو دوسری روایت ہمارے سامنے آتی ہے وہ واضح کرتی ہے کہ سورہِ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔اِس روایت میں رسول ﷺ ایک شخص کو نماز سکھاتے ہوئے مجملہ دیگر ہدایات کے فرماتے ہیں: پھر قرآن میں سے وہ حصہ جو تمہیں خوب حفظ ہو پڑھ لینا۔ اگر سورہِ فاتحہ فرض ہوتی تو آپؐ صراحت کر دیتے کہ پہلے فاتحہ پڑھ کر پھر قرآن کا ایک آسان حصہ پڑھ لینا۔ روایت اس طرح ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه و سلم ـ دخل رجل فصلى فسلم على النبی۔ صلى الله عليه و سلم فرد و قال ار جع فصل فانک لم تصل فرجع يصلی كما صلى ثم جاءَ فسلم على النبی صلى الله عليه وسلم فقال ارجع فصل فانک لم تصل ثلاثا فقال والذی بعثک بالحق ما احسن غيره فعلمنی فقال اذا قمت الى الصلوة فكبر ثم اقرا ما تيسر معک من القران ثم اركع حتى تطمئن جالسا، وافعل ذلک فی صلاتک کلها۔

ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اُس وقت ایک آدمی بھی مسجد میں آیا اور نماز ادا کی، یہ شخص خلاد بن رافع ذرقیؓ تھے۔ پھر رسول ﷺ کو سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا (جاؤ نماز پڑھ لو اِس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی) وہ گیا اور پہلے کی طرح دوبارہ نماز پڑھ لی۔ پھر واپس آیا اور رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (جاؤ نماز پڑھ لو اِس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی) یہ کام تین مرتبہ دہرایا گیا۔ اُس آدمی نے کہا مجھے اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو برحق مبعوث فرمایا ہے کہ اِس سے بہتر نماز پڑھنا مجھے نہیں آتا، آپؐ مجھے سکھا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرو تو پہلے تکبیر کہو پھر قرآن میں سے ایسا آسان حصہ پڑھو جو تمہیں حفظ ہو، پھر رکوع کر لو، اُس وقت تک رکوع کو دوام دو کہ مطمئن اور پرسکون ہو جاؤ۔ پھر سیدھے ہو کر پوری طرح کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو پورے آرام و سکون کے ساتھ، پھر سجدے سے اُٹھو اور پورے اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اِسی طرح تمام نماز ادا کیا کرو۔

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے اگر فرض ہوتا تو رسول اللہ ﷺ لازماً اُس آدمی کو اِس کی ہدایت کرتے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث دوسری سے منسوخ ہو گئی ہے وہ اپنے اِس دعویٰ کے لئے کوئی دلیل نہیں رکھتے۔